اکیسویں صدی کا اُردو ادب:
اندیشے اور امکانات کے تناظر میں

عامرہ رسول

Amira Rasool

Lecturer Govt. Girls Degree College, Samma Satta, Bahawalpur.
Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

شازیہ پروین

Shazia Parveen

Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Any thing is written in any language that spoken around the world has its own effects on its readers and society. And it impacts their feelings and emotions Urdu is that the most progressive language and its dramatic effects on the culture, social and literature of the generation. The literature never decline remain always alive and fresh.

علم و ادب سماج کا حصہ ہے۔ معاشرے سے کٹ کر اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ علم و ادب معاشرے کا ترجمان ہوتا ہے۔ حقیقی علم و ادب ہمیشہ زندہ اور تازہ رہتا ہے۔ ہر دور میں اپنی اہمیت منواتا ہے اور انسانی اصلاح کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ دانیال رضا اپنی کتاب پیش قدمی'' میں لکھتے ہیں:

> ''حقیقی علم و ادب ہمیشہ تازہ ہوتا ہے جو زندگی کی علامت ہے اور زندگی کی وجہ بھی۔ یہ کسی آبشار کی مانند ہمیشہ تر و تازہ اور فطری مہک کا اظہار ہے اور آبشار کی زندگی کا دارومدار اس کی روانی اور اس کے بہاؤ میں ہے۔ کھڑے پانی کو جوہڑ یا گندے پانی کا چھپڑ کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ جب بھی پانی کھڑا ہوتا ہے اس کے اندر کا تمام گند اوپر آ جاتا ہے اور ایک دن یہ بدبودار غلاظت کا ڈھیر بن جاتا ہے جو مضر انسانی اور سماجی زندگی ہے۔ اسی طرح ادب کی زندگی کا انحصار بھی اس کی سماج میں زندہ تحریک سے وابستگی پر ہوتا ہے۔ ادب جتنا زیادہ عوامی تحریکوں سے منسلک ہوگا ان کی ترجمانی کرے گا۔ ان کے لیے تعمیر و ترقی کی منزلوں کا

تعین کر کے مشعل راہ ہوگا۔ اتنا ہی صحت منداور توانا ہوگا۔ زندہ جاوید ادب ہمیشہ انقلابی ادب ہی ہوتا ہے۔''(۱)

ادب کا تعلق معاشرے اور اس کی اصلاح سے ہے۔ کسی مذہب کی تبلیغ سے نہیں ہے۔ مذاہب مستقل ہیں جبکہ معاشرے مسلسل تبدیل ہوتے ہیں۔ جب معاشرے میں گھٹن کی فضا موجود ہو تو وہاں پر ادیب کے لکھنے کے لیے بہت کچھ ہوتا ہے۔ کیوں کہ جب خطرہ کے حالات میں انسان کے اندر جذباتی اور تخلیقی توانائی بڑھ جاتی ہے اور پھر بڑا ادب پیدا ہو جاتا ہے۔ سجاد ظہیر سولنگی لکھتے ہیں:

''ایک ادیب کو اپنی خواہش کا اظہار اس طریقے سے کرنا چاہیے جس کی بنیاد پر سائنس، سماجی اور سیاسی شعور کو پھیلانے میں ہماری تخلیق سودمند ثابت ہو۔ ہماری تخلیق لڑتے ہوئے بات کرے۔''(۲)

ادب اور ادیب کو ہمیشہ سچ اور حقیقتوں کا ترجمان ہونا چاہیے۔ سچ کو بے نقاب کرنا ادیب کا کام ہے۔ لیکن ان حقیقتوں کو برہنہ نہ کیا جائے بلکہ باوقار بنانا بھی ادبی عمل کا حصہ ہے۔ لیکن اس تمام صورتِ حال کے لیے ضروری ہے کہ ادیب کو سچ کی سمت کا اندازہ ضرور ہونا چاہیے۔ انجم سلیمی نے کہا تھا:

''ابھی یہ ظلم سہہ سکتے ہیں تو ہتھیار مت بانٹو۔ ابھی کچھ روز ان کو اور بھی مظلوم رہنے دو۔''

(موجودہ دور کے ادب کو تروتازہ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں نظریات کا دخل ہو۔)

ظہیر اختر بیدری اپنے مکالمہ میں کہتے ہیں:

''نظریات کے بغیر ادب پروپیگنڈہ بن جاتا ہے۔ دیکھا جائے تو ادب اور شاعری کی پوری تاریخ نظریاتی ہی رہی ہے۔''(۳)

''تاریخ عالم گواہ ہے کہ قوموں کی ترقی میں زبان اہم کردار ادا کرتی ہے۔ زبان نہ صرف رابطہ کا ذریعہ ہوتی ہے بلکہ ثقافتی ورثے کی بھی امانت دار ہے۔ اُردو زبان ایک ایسی زبان ہے جس میں اتنی وسعت ضرور ہے کہ اس کے اندر نظریات سموسکیں۔''(۴)

ادب زوال پذیر ہو چکا ہے۔ ادب کے زوال کا مسئلہ بنا نہیں ساٹھ پینسٹھ برس قبل محمد حسن عسکری نے اُردو ادب کی موت کا اعلان کر دیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ان کے اس جملے کا مطلب یہ تھا کہ ادیب اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لا رہے لیکن مخالفین نے عسکری صاحب کے ان جملوں یا فقروں کو سیاق وسباق سے ہٹ کر غلط معانی پہنائے۔ حالانکہ ان کے بیان کا محرک کچھ اور تھا۔ ان کے ان فقروں میں ادب کے دوبارہ زندہ ہونے کا امکان بھی ڈھکے چھپے انداز میں موجود تھا۔ اس کے بعد متواتر لوگوں کے ہاتھوں یہ مشغلہ آ گیا اور انھوں نے ادب کے زوال کا نعرہ لگانا شروع کر دیا۔

زوال کا نعرہ کسی بھی تہذیب کے نظامِ حیات کا زوال ہوتا ہے۔ غزل ہو چاہے نظم یا پھر ناول ہو یا افسانہ ان اصناف میں اتنی وسعت ضرور ہے کہ تہذیب کے بدلتے ہوئے رجحانات کو سموسکیں۔ پاکستان میں غیر مستحکم جمہوری نظام اور چند شر پسند

عناصر ضرور موجود ہیں جو اُردو زبان کو اقلیت بنانا چاہتے ہیں۔اس کے باوجود اُردو زبان کا شمار برصغیر کی ایسی زبانوں میں ہوتا ہے جس کو پڑھنے اور بولنے والے دنیا کے ہر خطے میں موجود ہیں۔یہ نہ صرف پاکستان میں بولی جاتی ہے بلکہ ہندوستان کی ایک بڑی آبادی میں بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔(۵)

اکیسویں صدی میں شائع ہونے والی کتب پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ادب ابھی زندہ ہے۔صورتحال یقیناً امید افزا ہے۔اُردو افسانہ کو ہی لے لیں تو پتا چلتا ہے کہ اُردو افسانہ آج ایک نئی منزل سے آغوش ہے۔مسلسل نئے افسانوی مجموعے سامنے آ رہے ہیں۔ان نئے لکھنے والوں میں شوکت حیات، حسین الحق، شموئل احمد، عبدالصمد، جابر حسین، شفیع جاوید، مشرف عالم ذوقی، رحمان شیلی، رخسانہ صدیقی، شائستہ فاخری، اسلم جمشید وغیرہ کے افسانے نہ صرف قاری کو متاثر کرتے ہیں بلکہ ان تمام افسانوں کے موضوعات بھی ہمیں دنیا کے لیے مسائل سے روشناس کراتے ہیں۔

فرقہ واریت، ریپ کے انسانیت سوز واقعات، جنسی تشدد، سیاسی دہشت گردی، غربت، جہالت، بے ہودہ رسم و رواج، تعلیمی اداروں میں نظم وضبط کی کمی، بے حیائی اور حرام کاری کی طرف پیش قدمی، لاقانونیت، مذہبی تعصب وغیرہ کو ان افسانوں کا موضوع بنا کر سفاک حقیقتوں کو سامنے لایا گیا ہے۔یہ کام صرف ادیبوں کا ہے جو نئے حقائق کو تلاش کر کے سچائی کے ساتھ قاری کے روبرو کرتے ہیں۔

جب کوئی صاحب قلم یہ فرماتے ہیں کہ اُردو ادب کا کوئی حال نہیں ہے۔تو ہم یہ کیسے طے کر سکتے ہیں کہ میر تقی میر جو کہ خدائے سخن تھے۔ان کے بعد کیا اُردو شاعری ختم ہو گئی تھی۔نہیں ان کے بعد بہت سے اچھے شاعر اُردو شاعری کے ضمن میں آتے ہیں۔ان میں غالب کا نام سرفہرست ہے۔غالب کو استاد شاعر کہا جاتا ہے۔تو کیا ان کے بعد اقبال نہیں آئے۔پھر اس طرح یہ شاعری کا سلسلہ چلتا رہا اور آج کے دور کی اگر بات کریں تو کیا ظفر اقبال، انور شعور، امجد اسلام امجد، افتخار عارف، شہزاد بشیر، فہمیدہ ریاض کی شاعری کیوں یاد نہیں آتی۔کیا ان لوگوں نے نئے امکانات کو موضوع نہیں بنایا۔یہ اور بات ہے کہ اچھے اور بڑے شاعر ہر دور کے ادب میں موجود رہتے ہیں۔

صرف پاکستان اور ہندوستان کے ادیبوں تک یہ سلسلہ جاری نہیں بلکہ پاکستان کے ساحل سے پڑے یورپ اور امریکا، برطانیہ میں بھی اُردو لکھنے والے موجود ہیں جو کہ نئے نئے موضوعات پر قلم اٹھا رہے ہیں اور پوری تن دہی سے اُردو ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ان میں قیصر تمکین، محسنہ جیلانی، شاہدہ احمد، حمیدہ معین رضوی، اکبر خیر آبادی، خالد یوسف، عطیہ خان، طلعت سلیم شامل ہیں۔

جہاں تک ادب میں تنقید کا تعلق ہے تو یہ سلسلہ نیا نہیں بلکہ اُردو تنقید کے سرآغاز کی طرف جائیں تو مولانا حالی کا مقدمہ شعر و شاعری ہی لے لیں۔تو جہاں وہ غالب کو سراہتے نظر آتے ہیں وہیں پر نواب مرزا شوق پر تنقید کرتے نظر آتے ہیں۔اسی طرح محمد حسین آزاد کی کتاب ''آب حیات''، اُردو ادب کی اہم کتاب سمجھی جاتی ہے لیکن ان تمام شاعروں میں ایک بھی عورت نظر نہیں آتی۔تو کیا اس دور میں عورتیں شاعری نہیں کرتی تھیں۔تو اس طرح کی تنقید تو ماضی سے چلی آ رہی ہے۔اچھا اور بڑا شاعر، افسانہ نگار، ناول نگار، یا ڈرامہ نگار ہر عہد میں نظر آتا ہے۔لیکن یہ کہنا کہ اُردو ادب میں اب پڑھنے کے لیے کچھ نہیں رہ گیا تو غلط ہے۔یہ اور بات ہے کہ اب لوگوں میں سراہنے کی عادت نہیں رہی۔اسی طرح سوشل میڈیا پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ

اس نے کتاب گلیمر کو ختم کر دیا ہے۔تو کسی حد تک یہ بھی الزام ہے سوشل میڈیا کے مختلف فورمز اُردو ادب کے فروغ میں کاوشیں کر رہے ہیں۔ابھی بھی لکھاری کے سامنے امکانات کی وسیع تر دنیا ہے۔

یہاں تک اُردو ادب کے زوال کا سوال ہے تو عوامی سطح پر اس کو کوئی خطرہ نہیں البتہ سرکاری طور پر اس کو پذیرائی نہیں ملی۔اُردو ادب کو بھی علاقائی اور نسلی تعصب سے دور رکھا جائے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اُردو کی خدمت کرنے والوں میں بڑی تعداد مسلمانوں کی ہے لیکن اس کے خادموں میں ایک بڑی تعداد غیر مسلم ادباء و شعراء بھی شامل ہیں۔اس لیے اُردو ادب کی بقاء کے لیے ضروری ہے کہ غیر مسلم شعراء اور ادباء کی عزت افزائی کی جائے۔

چند گزارشات:

☆ سکول، کالج کی سطح پر بچوں کو تقریری و تحریری مقابلوں اور مباحثوں میں حصہ لینے کی ترغیب دی جائے۔

☆ ادبی محفلوں کا انعقاد کروایا جائے اور اس میں انگریزی سے اجتناب کیا جائے۔

☆ انگریزی کے ساتھ ساتھ اُردو زبان میں خطوط لکھنے کو فروغ دیا جائے۔خطوط و مکتب اُردو زبان و ادب کا لازمی حصہ ہیں۔

☆ سرکاری سطح پر اپنی قومی زبان کی سرپرستی کی جائے۔

☆ سوشل میڈیا کے ذریعے ادیبوں کا تعارف اور ان کی تخلیقات کو سراہا جائے۔

مختصر یہ کہ اس صورتحال اور اس کے پس منظر میں کارفرما اصل ذہنیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔خصوصاً ادب کے زوال کا نعرہ لگانے کے بجائے اپنی تہذیبی قدروں اور ان کے لیے کام کرنے والے ادیبوں پر اعتماد کا اظہار کرنا چاہیے۔اُردو ادب اضمحلال کے دور سے ضرور گزر رہا ہے لیکن خدانخواستہ ختم نہیں ہوا۔ہم اپنی توانائی بہم پہنچائے زندہ بھی رکھ سکتے ہیں اور ترقی کی طرف گامزن بھی۔

حوالہ جات

۱۔ دانیال رضا، پیش قدمی، جرمنی: چنگاری پبلی کیشن، اگست ۲۰۱۶ء، ص:۱۳

۲۔ سجاد ظہیر سولنگی، مکالمہ: ادب اور سماج، ۲۹ جولائی ۲۰۱۸ء

۳۔ ظہیر اختر بیدری، مکالمہ: طبقاتی سماج میں ادب کا کردار، ۲۷ جولائی ۲۰۱۵ء

۴۔ محمد نعیم اللہ خیالی، اُردو ایک ہمہ گیر زبان، ناظر پورہ: نوری پریس، ۱۹۸۵ء، ص:۹

۵۔ ایضاً، ص:۱۰

☆.....☆.....☆